کلام امام خمینیؒ پر حافظ شیرازی

عراق رضا زیدی

فارسی غزل گوئی میں حافظ شیرازی کو وہی مقام حاصل ہے جو اردو غزل میں غالبؔ کے حصے میں آیا ہے۔ شہرت، پسندیدگی اور مقبولیت میں ایران وہند کے علاوہ بھی ایک عالم میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اداروں سڑکوں اور محلوں کے نام ان کے نام سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ حافظ شیرازی آٹھویں صدی ہجری کے شاعر ہیں۔ان کی وفات 791 میں شیراز میں ہوئی تھی۔''خاک مصلیٰ'' سے ان کی تاریخ وفات حاصل ہوتی ہے۔ بیسویں صدی کے اوائل تک تقریباً سبھی غزل گوشعرا نے حافظ کی پیروی کی کوشش کی ہے۔ ہندوستان کے مشہور غزل گوشعرا میں نظیری ،عرفی اور فیض نے حافظ کی زمین میں غزلیں کہیں ہیں۔ غالب پر بھی حافظ کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔

بیسویں صدی جسے جدید شاعری، شعر نو اور شعر سپید جیسی تحریکوں نے اپنی اصل احساس سے بغاوت پر آمادہ کرکے مغربی افکار و رجحانات کا غلام بنادیا۔ اسے زندگی سے قریب کی شاعری سے منسوب کیا گیا حالانکہ جن سمبولک الفاظ کی دہائی آج دی جارہی ہے روایتی شاعری کے استعاروں میں وہ سب کچھ موجود تھا جس کو'' ہماری شاعری'' میں مسعود حسن رضوی ادیب نے ثابت بھی کیا ہے۔ ایران میں ہندوستان سے زیادہ مغرب زدہ لوگ موجود تھے ان کی مغرب نوازی جب ادب کے ساتھ اصل زندگی میں سرایت ہوئی تو صنف نازک سے منسوب غزل ہی نہیں بلکہ اصل صنف نازک بھی لباس سے عاری ہوکر محفل رقص ومیخواری کا دلکش نظارہ بن کر رہ گئی۔انسانی اقدار جو اسلامی نظام کا ایک جز ولاینفک ہیں آہستہ آہستہ دم توڑنے لگیں کیوں کہ عیاش شہنشاہ کو اپنی عیاشی کے لئے گماشتے چھوڑنے کی ضرورت بھی نہ رہی وہ جس کی تلاش رہتی تھی وہ سر عام اپنے جلوے دکھا رہا تھا۔ لہٰذا رضا شاہ پہلوی نے اسے آئین کا حصہ بنا کر حجاب کو ممنوع قرار دے دیا۔ یہ وہ عوامل تھے جو دین پرستوں کو راس نہ آسکے اور اس نظام کے خلاف آواز اٹھانا واجب کی حدود میں آگیا۔حق پرستوں کا قتل عام اور جلاوطنی کا سلسلہ شروع ہوا تو امام خمینی کی شکل میں رہبر انقلاب نے ایسا انقلاب بر پا کیا کہ ایران سے ہمیشہ کے لئے ظلم واستبداد کا جنازہ نکل گیا۔ اسلامی انقلاب آیا تو اس میں بھی ایک شدت کا شائبہ نظر آیا جسے امام خمینیؒ کی نظروں نے قابو سے باہر ہونے سے قبل بھانپ لیا۔ یہ شدت

تھی غزلوں کے مضامین کے خلاف جن میں بظاہر گل وبلبل، گیسو، ابر وعارض، لب، دل، جام، شراب اور پیمانے وغیرہ کی باتیں تھیں اور شاہ کے زمانے میں ان کا ایسا کھلے عام استعمال ہو چکا تھا کہ لوگوں کو اب ان کے نام سے بھی نفرت ہونے لگتی تھی۔ عوام ان کتابوں کو نذر آتش کرنے کے لئے آمادہ ہونے لگے۔ خصوصاً کلام حافظ سے جو کہ ایرانی ادب کی شناخت بن چکا تھا ایسا متنفر ہوئے کہ سوائے رہبر انقلاب کے ان کے جذبات پر کسی کو قابو پانا مشکل ہو گیا۔ جب تک ان الفاظ کی تاویلیں پیش کی جاتیں اور عوام کو سمجھایا جاتا تب تک بہت دیر ہو چکی ہوتی۔ لہٰذا اس طوفان کو روکنے کے لئے خود امام خمینی نے اسی لب ولہجے میں غزلیں کہنا شروع کیں جس میں روایتی غزلوں کا خزانہ تھا خصوصاً غزلیات حافظ کہی گئی تھیں۔ امام خمینی نے ان الفاظ کے عرفانی معنی ومطالب بھی بطور تشریح پیش کئے۔ مثلاً ''آب'' جس کے معنی پانی کے ہیں اسے عرفانی اصطلاح میں ''فیض ومعرفت'' کے معنی میں سمجھایا۔ صفات الٰہی کو حاجب ذات ہونے کی بنا پر ''ابروٗ'' سے تعبیر کیا۔ بو سے کو'' فیض وجذبہ باطن'' کی خواہش مندی کا نام دیا۔ پیمانہ کو'' دل عارف'' مراد لے کر انوار غیبی کے مشاہدے کا ذریعہ بتایا۔ ''جام'' کو تجلیات الٰہی کی جلوہ گاہ اور انوار لامتناہی کا مظاہرہ کرنے والا بتایا۔ خال کو ایک نقطہ سمجھ کر نقطۂ وحدت کا اشارہ گردانا، گیسو کو ایک ایسا رشتہ قرار دیا جو سالک کو طلب کی راہ میں حق تک پہنچاتا ہے۔ حسن ایک ذات میں مجتمع ہونے والے کمالات کو تصور کیا کیونکہ کمالات کی آخری منزل خدا کے علاوہ کسی کے پاس نہیں لہٰذا یہ ذات خدا ہے۔ عشق جس کی دو صورتیں مشہور تھیں عشق مجازی اور عشق حقیقی اسے صرف عشق حقیقی تک محدود رکھ کر وجود کائنات اور حرکت افلاک کو عشق کی بدولت سمجھا۔ غرض کہ وہ تمام الفاظ جو ایک مدت تک اپنی حیثیت کھو چکے تھے انہیں دوبارہ معنویت بخش کر روایتی شاعری کو عام کیا اور خود بھی یہی شاعری کی۔ امام خمینی چوں کہ اپنے دور کے نہایت ذہین، جری اور اکثر علوم دینی ودنیوی سے مزین وبہرہ ور تھے۔ لہٰذا جب غزل کہنا شروع کی تو امام الغزل حافظ شیرازی کی پیروی کی اس پیروی کے لئے مندرجہ بالا اسباب کے علاوہ کچھ اور بھی اسلامی وقرآنی ہم آہنگی بھی متحرک ہوئی جس نے حافظ کی پیروی کو نئی رفتار عطا کر دی۔ امام خمینیؒ کی کامیابی کا راز قرآنی افکار ورموز سے آگاہ ہو کر ان پر عمل پیرا ہونا تھا۔ وہ قرآنی نکات سے اچھی طرح واقف بھی تھے اور عمل پیرا بھی۔ یہ قرآنی افکار حافظ شیرازی کے بھی ذہن ودل کا آئینہ تھے جیسا کہ بہاؤالدین خرمشاہی نے ''حافظ'' پر تحریر کیا ہے۔

"اوصاحب ابن فضیلت از فضل قرآن پژوهی نیز بهره منداست" اور ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''باری حافظ ہم قرآن شناس بود، ہم بلاغت شناس، قرآن شناس بود، فضل وفرہنگ بسیاری خواہد، قرآن شناس یعنی کسی کہ یہ علوم قرآنی احاطہ دارد۔'' کلام حافظ میں یہ سارے شواہد موجود ہیں۔ مثلاً

صبح خیزی وسلامت طلبی چون حافظ
هر چه کردم همه از دولت قرآن کردم

حافظ کی طرح برائے سلامتی صبح کو اٹھنا یہ سب کچھ میں نے قرآن سے سیکھا ہے۔

اس طرح کی مثالیں حافظ کے اشعار میں جابجا موجود ہیں یہاں ایک اور مثال دی جاسکتی ہے وہ خون خرابے کو بھی قرآن کی نظر سے حرام سمجھتے ہیں۔

ای چنگ فرو برده بخون دل حافظ
فکرت مگر از عزت قرآن خدا نیست

اے حافظ کو قتل کرنے کی فکر میں رہنے والے شاید تجھے خدا کے قرآن کا پاس نہیں ہے۔

انہیں قرآنی نکات نے حافظ کی تمام شعروں کو عرفانی شاعری میں ڈھالنے کا کام کیا۔ امام خمینی خود بھی قرآن اور اس کے آئینے میں عرفان کو محبوب سمجھتے تھے لہٰذا ان عوامل نے بھی آپ کی شاعری میں حافظ کے اثرات قبول کئے۔ ایک آخری وجہ حافظ کا اپنا اسلوب ہے جس میں فصاحت، ملاحت، ایک مخصوص سادہ گری، مختصر سے الفاظ میں بڑے بڑے مطالب اور لطیف ترین معانی ادا کرنا، شیرینی، ایجاز اور پاکیزگی ہے۔ حافظ کے دیوان کی ابتدا مندرجہ ذیل شعر سے ہوتی ہے۔

الّا یا ایّها الساقی اور کاساً و ناولها
که عشق آسان نمود اوّل دلی افتاده مشکلها

خبردار اے ساقی ساغر اٹھا اور تقسیم کر، کیوں کہ آغاز عشق آسان نظر آیا لیکن اب مشکلوں کا سامنا ہے۔ امام خمینیؒ نے اپنی کئی غزلوں کا آغاز ''الایاایّها الساقی'' سے کیا ہے اور ایک غزل تو اسی زمین میں ہی کہی گئی ہے۔

الا یا ایّها الساقی برون برحسرت دلها
که جامت حل نماید یکسره اسرار مشکلها

اے ساقی دور ساغر چلاتا کہ دل کی حسرتیں نکل سکیں ، تیری شراب سبھی مشکل اسرار کو حل کردیتی ہے۔

اسی زمین میں حافظ کی سات اشعار کی غزل ہے۔ امام خمینی نے بھی غزل سات اشعار پر ہی مبنی رکھی۔ اس آٹھ قوافی کی غزل کا پہلا اور آخری مصرع عربی زبان میں تحریر ہے۔ جب کہ امام خمینی نے دور حاضر پر نظر رکھتے ہوئے اس سے گریز کیا ہے اور حافظ کی پیروی میں صرف آغاز عربی الفاظ سے کیا ہے۔ خمینی صاحب نے ایک دوسری زمین میں اسی ترکیب کا تتبع کیا ہے۔

الایا ایّها السّاقی زمی پر ساز جامم را
که از جانم فرو ریزد هوای ننگ ونامم را

اے ساقی اٹھ اور ہمارے جام کو شراب سے لبریز کردے جو ننگ ونام کی ہوس کو دل سے نکال دے۔

ان مطالب کے علاوہ قرآنی حکایات میں آئے ہوئے نبیوں رسولوں کے ناموں کے علاوہ اماموں اور اہم شخصیات کے ناموں سے تلمیحاتی نظام میں جو فیض حافظ نے اٹھایا ہے وہ امام خمینی کے کلام میں ملتا ہے۔ مثلاً حضرت آدم ، آزر، سکندر، جناب خضر، حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت داؤد، روح الامین روح القدس ، زلیخا، جناب سلیمان جمشید ، شیرین، حضرت عیسیٰ ، فرہاد، کسری ۔ لیلیٰ ، مجنوں، مانی، جناب موسیٰ، جناب نوح، نمرود، جناب یعقوب ، جناب یوسف اور ہمارے پیغمبر محمد مصطفیٰؐ مختلف صفاتی ناموں سے یاد کئے گئے ہیں۔ جناب خضر کی تلمیح کو حافظ نے تقریباً اپنے انہیں اشعار میں استعمال کیا جب کہ خمینی صاحب نے صرف دو جگہ سے فیض اٹھایا ہے۔ یہاں مثال میں ایک ایک شعر دونوں کا پیش کیا جاتا۔

حافظ دریا کوه دررہ ومن خسته ضعیف
ای خضر پی خجسته مدد کن بهمتم

زندگی کی راہ میں سمندر اور پہاڑ مشکلوں کی صورت میں ہیں اور میں لاچار وضعیف ہوں۔ اے خضر میری مدد کر۔

امام خمینی دست گیری کنم ای خضر! که در این ظلمات

پی سرچشمه آب حیوان آمده ام
اے خضر بحر ظلمات میں مجھے راستہ دکھا
میں چشمہ آب حیات کی تلاش میں آیاہوں

آخر میں چندوہ استعاراتی الفاظ ، کلام امام خمینیؒ سے بطور مثال پیش کئے جارہے ہیں جن کے لئے حافظ کے اشعار مشہور ومعروف ہوچکے ہیں وہ دل کی ہر بات انہیں الفاظ کے سہارے کہہ جاتے ہیں۔ یہاں حافظ کے اشعار اس لئے درج نہیں کئے جارہے ہیں کہ یہ تقریباً حافظ کی ہر غزل کا خاصہ ہیں اور مضمون کو طوالت سے بھی بچانا ہے۔

بردر میکده از روی نیاز آمده ام
پیش اصحاب طریقت بنماز آمده ام
از نهان خانه اسرار ندارم خبری
به در پیر مغان صاحب راز آمده ام

مندرجہ بالا اشعار میں درمیکدہ ، روی نیاز، اصحاب طریقت، نماز، نہان خانہ اسرار ، خبر ، پیر مغان ، صاحب راز، صوفی،خرقہ ، زاہد، سجادہ ، دیر مغان اور نغمہ نواز جیسے الفاظ غزلیات حافظ کی خوب یاد دلارہے ہیں۔ خمینی صاحب کی ایک غزل کے صرف تین اشعار میں آپ حافظ کی کسی بھی غزل کے کسی نہ کسی شعر کا لطف اٹھاسکتے ہیں ۔ جن کا اردو ترجمہ اس طرح کیا جاسکتا ہے۔

میں از روئے نیاز میکدہ کے در پر آیاہوں ، میں نماز ادا کرنے کے لئے اصحاب طریقت کے سامنے آیاہوں (یہاں اگر میکدہ (میخانہ) دنیاوی شراب والا مراد لیا جائے تو امام خمینی کی شخصیت مجروح ہونے کے ساتھ ترجمہ کرنے والے کی دانشوری پر بھی سوالیہ نشان لگ جائے گا)جب کہ دوسرے مصرع میں اہل طریقت اہل صفا یعنی خداوالوں کی بات کی گئی ہے۔ یہاں میکدہ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ گڑ گڑا کر اللہ سے دعامانگی جاتی ہے مناجات کی جاتی ہے اور مناجات کا طریقہ اہل طریقت سے زیادہ کون سمجھ سکے گا۔

دوسرے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ میں درون پردہ اسرار سے بے خبر ہوں ۔ اسی لئے تو اس راز کو جاننے کے لئے پیر مغان، جو رازوں کا جاننے والا ہے، کے پاس آیاہوں ۔ یہاں پیر مغاں سے

مراد ''روحانی رہبر کامل'' ہے۔شراب پلانے والا ساقی نہیں۔

تیسرے شعر کے تیور قابل دید ہیں کہ صوفی تو اپنے خرقے میں ہے اور زاہد سجاد ہے اور میں پیر مغاں کے پاس نغمہ نواز آیاہوں۔ یوں تو دیر مغاں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں زرتشتیوں کے روحانی پیشوا جمع ہوتے ہیں جنہیں موبد بھی کہا جاتا ہے۔لیکن اس شعر میں کنایہ اہل معرفت کی مجلس کی طرف ہے۔

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں ۱۹ ویں صدی کے اواخر اور بیسوی صدی میں گم ہوتی ہوئی فارسی شعری روایتوں کو امام خمینیؒ نے دوبارہ زندگی بخشی ہے اور اس کام کو خوبصورتی اور چابکدستی سے انجام دینے کے لئے غزلیات حافظ سے مکمل فیض اٹھایا ہے جس کی وجہ سے ان کے کلام پر حافظ کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔